© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

مہر کے متعلق ایک ضروری مسئلہ

"اگر بوقتِ نکاح زرِ مہر کی صرف تعداد مقرر کر دی گئی ادراس امر کی تصریح نہ کی گئی ہو کہ یہ مہر معجل ہے یا موجل تو آیا اس کو معجل قرار دیا جائے گا یا مؤجل؟ اس مسئلہ میں علماء سے استفسار کیا گیا مگر جوابات مختلف آئے۔ مثلاً چند جوابات یہ ہیں:-

مولانا محمد کفایت اللہ صاحب و دیگر علماء دہلی:

"اگر مہر میں موجل کی تصریح بھی ہو مگر اجل مجہول بجہالت فاحشہ ہو تو مہر معجل ہو جاتا ہے۔ اور جبکہ معجل یا مؤجل کا لفظ استعمال نہ کیا جائے بلکہ واجب الادا کا لفظ لکھ دیا جائے تو یہ بھی معجل ہوگا کیونکہ بغیر ذکر اجل کے موجل نہیں ہو سکتا۔ الا اذا جهل الاجل جهالة فاحشة فيجب حالا۔ غاية (درمختار)

وان كانت جهالة متفاحشة كالى الميسرة او الى هبوب الريح او الى ان تمطر السماء فالاجل لا يثبت ويجب المهر حالا۔ وكذا فى غاية البيان (رد المحتار)"

مولانا سعید احمد صاحب مدرس مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، ضلع اعظم گڑھ:

"مہر موجل اس وقت ہوگا جب بوقت عقد نکاح ادا مہر کے لیے وقت اور تاریخ کی تعیین ہو ورنہ معجل۔ یہی حال تمام معاملات کا ہے۔ اگر کسی نے ایک دوکان سے کوئی چیز خریدی اور بات چیت میں نقد یا تاخیر تعیین وقت کا ذکر نہیں آیا تو یہ معاملہ بھی معجل کے حکم میں ہوگا۔ خریدار خواہ فوراً قیمت دیدے یا بعد میں دینے کا وعدہ کرے۔ بہر صورت معجل میں یہ ضروری نہیں ہے کہ عوض فوراً ادا کیا جائے بلکہ صاحب حق کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ فوراً یا جب چاہے اپنے حق کا مطالبہ کرے اور معاملہ مؤجل میں اجل اور تاریخ سے پہلے مطالبہ اور تقاضے

© rasailojaraid.com

کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ اس تفصیل کی رو سے معاملہ مسئولہ میں زر مہر معجل ہے اس لیے عورت جب چاہے اس کا مطالبہ اور دعویٰ کر سکتی ہے"۔

مولانا سید سلیمان ندوی:

"زر مہر میں اگر معجل یا موجل کی کوئی تفصیل نہیں ہے تو عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ وقایہ میں ہے و المعجل والموجل ان بینا فذلک والا فالمتعارف۔ اگر معجل اور موجل دونوں بیان کر دیے گئے ہیں تو جیسا بیان کیا گیا ہے ویسا ہوگا ورنہ عرف کا اعتبار ہوگا"۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب نائب مفتی ریاست پٹیالہ و دیگر علماء:

"اس صورت میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا (حوالہ وہی مختصر وقایہ کا ہے) اگر عرف یہ ہے کہ ایک عورت ایسے غیر معین مہر کو صرف شوہر کی وفات یا طلاق ہی کے بعد حاصل کر سکتی ہے تو وہ شوہر کی وفات یا طلاق سے پہلے اسے وصول کرنے کا حق نہیں رکھتی"۔

اس اختلاف کا حل کیا ہے؟ براہ کرم آپ اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیں"۔

قرآن اور حدیث کی رو سے مہر دراصل اُس حق زوجیت کا معاوضہ ہے جو ایک مرد کو اپنی بیوی پر حاصل ہوتا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے :-

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ (النساء - ۴)

ان کے ماسوا جو عورتیں ہیں، تمھارے لیے حلال کیا گیا کہ اپنے مالوں کے عوض اُن سے طلب نکاح کرو۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً (النساء - ۴)۔

پس جو لطف تم نے اُن سے اٹھایا ہے اُس کے بدلے ان کے مہر بطور ایک فرض کے ادا کرو۔

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ (النساء - ۳)

اور تم وہ مال کیسے لے سکتے ہو جبکہ تم میں سے ایک دوسرے سے اختلاط کر چکا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مہر ہی وہ چیز ہے جس کے عوض مرد کو عورت پر شوہرانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ پھر اس کی مزید تصریح وہ احادیث کرتی ہیں جو اس معنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔

صحاح ستہ اور دارمی اور مسند احمد میں حضور کا یہ ارشاد منقول ہے:

أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ۔

تمام شرطوں سے بڑھ کر جو شرط اس کی مستحق ہے کہ تم اسے پورا کرو وہ شرط وہ ہے جس پر تم عورتوں کی شرمگاہوں کو حلال کرتے ہو۔

لعان وہ مشہور مقدمہ، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجین کے درمیان تفریق کرائی تھی، اس کا ذکر کرتے ہوئے عبداللہ ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ جب تفریق ہو چکی تو شوہر نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا مال مجھے واپس دلوایا جائے۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

لَا مَالَ لَكَ، إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَلِكَ أَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا (مسلم۔ کتاب اللعان)

مال لینے کا تجھے حق نہیں۔ اگر تو نے اس پر سچا الزام لگایا ہو تو اس کی شرمگاہ جو تو نے اپنے لیے حلال کی تھی اس کے معاوضہ میں وہ مال ادا ہو چکا، اور اگر تو نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو مال لینے کا حق تجھ سے اور بھی زیادہ دور ہو گیا۔

اس سے بھی زیادہ تصریح ایک اور حدیث میں ہے جو امام احمد اپنی مسند میں لائے ہیں کہ:

مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِصَدَاقٍ وَنَوَى أَنْ لَا يُؤَدِّيَهُ فَهُوَ زَانٍ

جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ یہ مہر دینا نہیں ہے وہ زانی ہے۔

ان تمام نصوص سے مہر کی یہ حیثیت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کوئی رسمی و نمائشی چیز نہیں ہے بلکہ وہ چیز ہے جس کے معاوضہ میں ایک عورت ایک مرد کے لیے حلال ہوتی ہے۔ اور ان نصوص کا اقتضاء یہ ہے کہ استحلال فرج کے ساتھ ہی پورا مہر فوراً واجب الادا ہو جائے، اِلّا یہ کہ زوجین کے درمیان اس کو مؤخر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دینے کے لیے کوئی قرارداد ہو چکی ہو۔

پس زرِ مہر کی ادائیگی کے معاملہ میں اصل تعجیل ہے نہ کہ تاجیل۔ مہر کا حق یہ ہے کہ وہ انحلالِ فرج کے ساتھ ہر وقت ادا ہو اور یہ محض ایک رعایت ہے کہ اس کو ادا کرنے میں مہلت دی جائے۔ اگر مہلت کے بارے میں زوجین کے درمیان کوئی قرارداد نہ ہوئی ہو تو اعتبار اصل (یعنی تعجیل) کا کیا جائے گا نہ کہ رعایت (یعنی تاجیل اور مہلت) کا۔ یہ بات شارع کے منشا کے بالکل خلاف معلوم ہوتی ہے کہ تاجیل کو اصل قرار دیا جائے اور تاجیل و تعجیل کے غیر مصرح ہونے کی صورت میں زرِ مہر کو آپ سے آپ موجل ٹھیرایا جائے۔

فقہائے حنفیہ کے درمیان اس مسئلہ میں دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ کی رائے وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی۔ غایۃ البیان میں ہے:

فان کان بشرط التعجیل او مسکوتاً عنہ یجب حالاً ولہا ان تمنع نفسہا حتی یعطیہا المہر۔

اگر مہر شرطِ تعجیل ہو یا اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہو (کہ معجل ہے یا موجل) تو وہ فوراً واجب ہوگا اور عورت کو حق ہوگا کہ اپنے آپ کو شوہر سے روک لے جب تک کہ وہ مہر ادا نہ کرے۔

اور شرح العنایہ علی الہدایہ میں ہے:

فان سموا المہر ساکتین عن التعجیل والتاجیل ماذا یکون حکمہ؟ قلت یجب حالاً فیکون حکمہ حکم ما شرط تعجیلہ

پھر اگر مہر مقرر کر دیا گیا اور معجل یا موجل کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ میں کہتا ہوں کہ وہ فوراً واجب ہوگا، اس کا حکم اس مہر کا سا حکم ہے جس کے لیے تعجیل کی شرط کی گئی ہو۔

اور اسبیجابی میں ہے:

ان کان المہر معجلاً او مسکوتاً عنہ

اگر مہر معجل ہو یا اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فانه يجب حالا لان النكاح عقد معاوضة وقد تعين حقه في الزوجة فوجب أن يتعين حقها ذلك بالتسليم

تو وہ فوراً واجب ہوگا کیونکہ نکاح ایک عقدِ معاوضہ ہے۔ جب زوجہ میں شوہر کا حق متعین ہو گیا تو واجب آیا کہ عورت کا حق بھی متعین ہو جائے اور وہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ مہر ادا کر دیا جائے۔

رہا دوسرا گروہ، تو وہ کہتا ہے کہ اس معاملہ میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

فان لم يبينوا قدر المعجل ينظر الى المرأة والى المهر انه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فيعجل ذلك ولا يتقدر بالربع والخمس بل يعتبر المتعارف

اگر معجل کی مقدار واضح نہ کی گئی ہو تو دیکھا جائے گا کہ عورت کس طبقہ کی ہے اور مہر کتنا ہے اور یہ کہ ایسی عورت کے لیے ایسے مہر میں سے کس قدر معجل قرار دیا جاتا ہے۔ بس اتنی ہی مقدار معجل قرار دی جائے۔ ایک چوتھائی یا پانچویں حصہ کی تعیین نہ کر دینی چاہیے بلکہ جو رواج ہو اس کا اعتبار کرنا چاہیے۔

اسی رائے کی تائید علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وان لم يشترط تعجيل شيء بل سكتوا عن تاجيله وتعجيله فان كان عرف في تعجيل بعضه وتاخير باقيه الى الموت او الميسرة او الطلاق فليس لها ان تحبس الا الى تسليم ذلك القدر

اور اگر کسی حصۂ مہر کی تعجیل کی شرط نہ کی گئی ہو بلکہ تعجیل اور تاجیل سے سکوت اختیار کیا گیا ہو تو رواج کو دیکھا جائے گا۔ اگر رواج یہ ہے کہ ایک حصہ معجل قرار دیا جاتا ہے اور باقی حصہ موت تک یا خوش حالی تک یا طلاق تک مؤخر رکھا جاتا ہے تو عورت صرف اتنی ہی مقدار وصول ہونے تک اپنے آپ کو شوہر سے روکنے کا حق رکھتی ہے۔

اصولی حیثیت سے دیکھا جائے تو پہلے گروہ کی رائے قرآن و حدیث کے منشا سے زیادہ مطابقت رکھتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ لیکن دوسرے گروہ کی رائے بھی بے وزن نہیں ہے۔ ان کے قول کا مدعا یہ نہیں ہے کہ مہر کے باب میں تاجیل اصل ہے اور جب تاجیل تعجیل کی صراحت نہ ہو تو معاملہ اصل یعنی تاجیل کی طرف راجع ہونا چاہیے، بلکہ وہ اپنے فتوے میں ایک اور قاعدے کا لحاظ کرتے ہیں جسے شریعت میں تسلیم کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی سوسائٹی میں معاملات کے متعلق جو طریقہ عام طور پر مروج ہو اس کی حیثیت افراد کے درمیان ایک غیر مسطور قرار داد کی سی ہوتی ہے، اگر اس سوسائٹی کے دو فریق باہم کوئی معاملہ طے کریں اور کسی خاص پہلو کے بارے میں صراحت کوئی قرارداد نہ کریں تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس پہلو میں وہ مروجہ طریقہ پر راضی ہیں۔

بلاشبہ یہ قاعدہ شریعت میں مسلم ہے، اور اس لحاظ سے فقہاء کے دوسرے گروہ کی رائے بھی غلط نہیں ہے، لیکن قبل اس کے کہ ہم کسی خاص سوسائٹی میں اس قاعدے کو جاری کریں، ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ شریعت نے رواج کو بطور ایک ماخذ قانون (SOURCE OF LAW) کے تسلیم نہیں کیا ہے کہ جو کچھ رواج ہو وہی شریعت کے نزدیک حق ہو، بلکہ اس کے برعکس وہ غیر متقی سوسائٹی اور اس کے غیر منصفانہ رواجوں کو قبول کرنے کے بجائے ان کو بدلنا چاہتی ہے اور صرف ان رواجوں کو تسلیم کرتی ہے جو ایک اصلاح شدہ سوسائٹی میں، شریعت کی روح اور اس کے اصولوں کے تحت پیدا ہوئے ہوں۔ لہذا رواج کو غیر مسطور قرار داد مان کر مثل قانون نافذ کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جس سوسائٹی کے رواج کو ہم یہ حیثیت دے رہے ہیں کیا وہ ایک متقی سوسائٹی ہے؟ اور کیا اس کے رواج شریعت کی روح اور اس کے اصولوں کی تبعیت میں پیدا ہوئے ہیں؟ اگر تحقیق سے اس کا جواب نفی میں ملے تو اس قاعدے کو مثل قانون جاری کرنا عدل نہیں بلکہ قطعاً ایک ظلم ہوگا۔

اس نقطۂ نظر سے جب ہم ہندوستان کی موجودہ مسلم سوسائٹی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ تعلقات زن و شو کے معاملہ میں اس نے خواہشات نفس کی پیروی اختیار کر کے اس توازن کو بہت کچھ بگاڑ دیا ہے جو شریعت نے قائم کیا تھا، اور بالعموم اس کا میلان ایسے طریقوں کی طرف ہے جو شریعت کی روح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کے احکام سے صریحاً منحرف ہیں۔ اسی مہر کے معاملہ کو لے لیجیے جس پر ہم یہاں گفتگو کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان بالعموم مہر کو محض ایک رسمی چیز سمجھتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں اس کی وہ اہمیت قطعاً نہیں ہے جو قرآن و حدیث میں اس کو دی گئی ہے۔ نکاح کے وقت بالکل ایک نمائشی طور پر مہر کی قرارداد ہو جاتی ہے مگر اس امر کا کوئی تصور ذہنوں میں نہیں ہوتا کہ اس قرارداد کو پورا بھی کرنا ہے۔ بارہا ہم نے مہر کی بات چیت میں اپنے کانوں سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ "میاں کون لیتا ہے کون دیتا ہے" گویا یہ فعل محض ضابطہ کی خانہ پُری کے لیے کیا جا رہا ہے۔ ہمارے علم میں ۸۰ فی صدی نکاح ایسے ہوتے ہیں جن میں مہر سرے سے کبھی ادا ہی نہیں کیا جاتا۔ زرِ مہر کی مقدار مقرر کرنے میں اکثر جو چیز لوگوں کے پیشِ نظر ہوتی ہے وہ صرف یہ کہ اسے طلاق کی روک تھام کا ذریعہ بنایا جائے۔ اس طرح عملاً عورتوں کے ایک شرعی حق کو کالعدم کر دیا گیا ہے اور اس بات کی کوئی پروا نہیں کی گئی کہ جس شریعت کی رو سے یہ لوگ عورتوں کو مردوں پر حلال کرتے ہیں وہ مہر کو استحلالِ فروج کا معاوضہ قرار دیتی ہے اور اگر معاوضہ ادا کرنے کی نیت نہ ہو تو خدا کے نزدیک عورت مرد پر حلال ہی نہیں ہوتی۔

ہمارے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ جس سوسائٹی کا عرف اتنا بگڑ چکا ہو اور جس کے رواج نے شریعت کے احکام اور اس کی روح کے بالکل خلاف صورتیں اختیار کر لی ہوں، اس کے عرف و رواج کو ازروئے شریعت جائز قرار دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ جن فقہاء کی عبارتیں اعتبارِ عرف کی تائید میں نقل کی جاتی ہیں، ان کے پیشِ نظر یہ بگڑی ہوئی سوسائٹی تھی اور نہ اس کے خلافِ شریعت رواج۔ انھوں نے جو کچھ لکھا تھا وہ ایک اصلاح شدہ سوسائٹی اور اس کے عرف کو پیشِ نظر رکھ کر لکھا تھا۔ کوئی مفتی مجرد ان کی عبارتوں کو نقل کر کے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اس کا فرض ہے کہ فتویٰ دینے سے پہلے اصولِ شریعت کی روشنی میں ان کی عبارتوں کو اچھی طرح سمجھ لے اور یہ تحقیق کر لے کہ جن حالات میں انھوں نے وہ عبارتیں لکھی تھیں اُن سے وہ حالات مختلف تو نہیں ہیں جن پر آج انھیں چسپاں کیا جا رہا ہے۔

© rasailojaraid.com